اسلامی تحریک میں کارکنوں کے باہمی تعلقات

(۲)

ایثار جب ایک مسلمان اپنے بھائی کے لیے نہ صرف یہ کہ وہی پسند کرتا ہے جو اپنی ذات کے لیے بلکہ اس کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے تو کردار کی یہ صفت ایثار ہے اور یہ دوسری بنیادی صفت ہے۔

ایثار کا لفظ اثر سے نکلا ہے اور اس کے معنی قدم رکھنے اور ترجیح دینے کے ہیں یعنی مسلمان اپنے بھائی کی بھلائی اور بہتری کو اپنے نفس کی بھلائی اور بہتری پر ترجیح دے۔ اپنی ضرورت کو موخر کر کے دوسرے کی ضرورت پوری کر دے۔ خود تکلیف اٹھائے دوسرے کو آرام پہنچائے۔ خود بھوکا رہے دوسرے کا پیٹ بھر دے اپنی طبیعت اور مزاج پر ناگواریاں جھیل لے لیکن اپنے بھائی کے دل پر حتی الوسع کسی ناگواری کا میل نہ آنے دے۔

یہ صفت ایک بلند اخلاقی فضیلت ہے اور ہر شخص سے اس کا تقاضا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اس کی بنیاد پر حقوق تو متعین نہیں کئے گئے لیکن خود اس کی اور اس کی بنیاد پر بے شمار اخلاقی فضائل کی تاکید کی گئی ہے۔

یہ ایثار سب سے پہلے ضروریات کے دائرہ میں ہونا چاہیے پھر آسائش و آرام کے دائرہ میں اور پھر مزاج کے تقاضوں کے دائرہ میں یہ آخری چیز خاصی اہم ہے۔ تمام انسان مختلف المزاج ہوتے ہیں اور اس طرح ان کے تقاضے مختلف النوع۔ اور اگر ہر انسان اپنے مزاج کے تقاضوں پر اڑ جائے تو معاشرہ درہم برہم ہو جائے۔ لیکن اگر وہ دوسرے کے ذوق پسند اور دلچسپی کو ترجیح دینا سیکھ جائے تو پھر انتہائی شیریں اور مخلصانہ تعلقات وجود میں آتے ہیں۔

پھر اس ایثار کا بلند تر درجہ ہے جب ایک آدمی خود تنگی اور عسرت کی حالت میں ہو اور پھر وہ

اپنے بھائی کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھے ۔ رسول اللہ کے ساتھیوں کی زندگی ان واقعات سے بھری پڑی ہے اور قرآن نے ان کی اس صفت کی تعریف کی ہے ۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر - ۱)

اور اپنے نفس پر (دوسروں کو) مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔

انصار نے جس طرح باوجود اپنی عسرت کے مہاجر بھائیوں کا استقبال کیا اور ان کو اپنے درمیان جگہ دی ، یہ ایثار کی اچھوتی مثال ہے ۔ ایک واقعہ حضرت ابوطلحہ انصاری کا ہے جو اس آیت کی شان نزول کے طور پر بیان کیا جاتا ہے اور جس میں اس کا بہترین انطباق پایا جاتا ہے ۔

" ایک آدمی ایک دفعہ رسول اللہ کے پاس بھوکا آیا کاشانہ نبوی میں کچھ نہ تھا ۔ آپ نے فرمایا جو شخص اس کو آج کی رات مہمان بنائے گا خدائے تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا حضرت ابوطلحہ اس کو اپنے گھر لے گئے لیکن گھر جا کر بیوی سے معلوم ہوا کہ اتنا ہی کھانے کو ہے کہ مہمان کا پیٹ بھر سکے ۔ بولے ، " بچوں کو سلا دو اور چراغ کو بجھا دو ہم دونوں رات بھر بھوکے رہیں گے البتہ مہمان پر یہ ظاہر کریں گے ہم کھا رہے ہیں " چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا صبح کو رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا ۔ اور یہ آیت سنائی ۔ (بخاری مسلم)

یہ مالی تنگی میں ایثار کا واقعہ تھا لیکن اس سے زیادہ نادر واقعہ ایک جہاد کا ہے جو شان ایثار کی انتہائی شکل ہے ۔ جب ایک زخمی کے پاس میدان جنگ میں پانی پہنچایا گیا تو پاس سے کراہنے کی آواز آئی انھوں نے کہا پہلے ان کے پاس لے جاؤ ۔ جب ان کے پاس پہنچے تو پھر یہی واقعہ پیش آیا اور انھوں نے بھی مرتے وقت اپنے ساتھی کو اپنے اوپر ترجیح دی اس طرح چھٹے آدمی تک نوبت آئی اور ہر ایک دوسرے کو اپنے پر مقدم کرتا رہا تھا جب چھٹے کے پاس پہنچے تو وہ ختم ہو چکے تھے اور جب پہلوں کے پاس واپس آئے تو سب جان بحق تسلیم ہو چکے تھے ۔ رحمهم الله

اس طرح ایثار کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے لیے کمتر چیز پر راضی ہو جائے اور اپنے ساتھی کو بہتر چیز دے دے ۔ ایک دفعہ رسول اللہ ایک جنگل میں جا رہے تھے آپ نے دو مسواکیں کاٹیں ایک سیدھی تھی

اور ایک ٹیڑھی۔ آپ کے ساتھ ایک صحابی تھے آپ نے سیدھی مسواک انہیں دے دی اور خود ٹیڑھی رکھ لی انھوں نے کہا یا رسول اللہ یہ بہتر ہے اور آپ کے لیے اچھی ہے آپ نے فرمایا "جو کوئی شخص کسی سے ایک ساعت بھی صحبت رکھتا ہے تو اس سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ اس نے حقِ صحبت کا خیال رکھا یا اس کو ضائع کیا (کیمیائے سعادت) یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ایثار بھی صحبت کا ایک حق ہے۔

سیرت کی دو اور اہم بنیادی صفات جن کو اگر مومن اختیار کرے تو نہ صرف یہ کہ تعلقات میں خرابی کو کہیں سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکے گا بلکہ یہ انتہائی شیریں ہو جائیں گے عدل اور احسان ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے بحیثیت حکم کے ارشاد کیا:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (نحل) اللہ تعالیٰ عدل اور احسان پر کاربند رہنے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ حکم دیتا ہے (ان اللہ یامر) کا انداز بیان قابل غور ہے۔

عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے" اور عدل کے حکم کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی و تمدنی حقوق پوری پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کیے جائیں" یعنی ایک مسلمان اپنے بھائی کے وہ تمام حقوق ادا کرے جو شریعت نے عائد کیے ہیں اپنے معاملات اس طرز پر طے کرے جس طرز پر شریعت چاہتی ہے۔ سلوک اس نوعیت کا ہو جس نوعیت کا شریعت تقاضا کرتی ہے اور برتاؤ میں وہی روش اختیار کرے جس کا حکم شریعت نے دیا ہے اس لیے کہ شریعت ہی وہ نظام ہے جس میں عدل کے تمام تقاضے بکمال حسن و خوبی ملحوظ رکھے گئے ہیں۔

وانزل معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (حدید)

اسی طرح اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی سے برائی کا بدلہ لے تو بس اتنا ہی لے جتنی برائی کی گئی ہے جو اس سے بڑھا اس نے عدل سے تجاوز کیا۔

عدل کی مزید تشریح جو اس کے تصور کو بالکل مکمل کر دیتی ہے اس حدیث میں ہے جس میں نبی کریم صلعم نے ان نو باتوں کا ذکر کیا ہے جن کا حکم اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

کلمۃ العدل فی الغضب والرضاء — غضب کی حالت ہو یا ناراضگی کی بہرصورت عدل کے کلمے پر رہوں

دراصل کمال سیرت کی بنیادی علامت یہ ہے کہ آدمی کی قلبی کیفیت کچھ بھی ہو لیکن وہ عدل کے راستہ سے سر مو نہ ہٹے اور اس میں اصل چیز یہ ہے کہ آدمی کے کردار میں اتنی طاقت ہو کہ خواہ آدمی کے دل میں اپنے بھائی کی طرف سے غبار اور میل ہو لیکن پھر بھی وہ اپنے معاملات، برتاؤ اور رویہ کو شریعت کے تقاضوں سے ہٹنے نہ دے۔ اس عدل کے بعد اگلی چیز احسان ہے جو عدل سے زائد ایک چیز ہے۔

احسان اس کی اہمیت باہمی تعلقات میں عدل سے بھی زیادہ ہے عدل اگر تعلقات کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور کمال ہے عدل اگر تعلقات کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں شیرینیاں اور خوشگواریاں پیدا کرتا ہے کوئی تعلق صرف اس بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا کہ ہر فریق ناپ تول کر کے دیکھتا رہے اور اپنے واجب الوصول حقوق میں کسی طرح کی کمی اور دوسروں کے واجب الادا حقوق میں کسی طرح کا اضافہ گوارا نہ کرے۔ ایسے ایک کھرے تعلق میں کشمکش تو نہ ہو گی مگر محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار اور اخلاق و خیر خواہی کی نعمتوں سے وہ محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرنے والی ہیں۔ یہ نعمتیں احسان سے حاصل ہوں گی جس سے مراد ہے نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر ہی راضی ہو جانا۔

اس احسان کا تصور بھی نو باتوں والی حدیث کی تین باتیں مکمل اور واضح کرتیں ہے کہ:

اَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَ اُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَ اَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ — جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں اور جو مجھ کو (حق سے) محروم کرے میں اسے (اس کا حق) دوں اور جو میرے اوپر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔

یعنی کردار کی یہ صفت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ آدمی اپنے بھائی کو بھلائی کا بدلہ اس سے

زائد بھلائی سے دے بلکہ یہ بھی کہ اگر وہ برائی کرے تو اس کا جواب بھی بھلائی سے دے۔

وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

ان چار صفات کے بعد پانچویں چیز وہ ہے کہ جس کے لیے میں رحمت کا لفظ استعمال کروں گا لیکن جس کے لیے نہ معلوم کتنی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔

رحمت ۵ رحمت کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے باہمی تعلق کی تصویر کھینچنے کے لیے اس لفظ کو اختیار کیا ہے اور یہ چیز اس کے وسعت معانی کی طرف اشارہ کرتی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (فتح)	محمد اللہ کے رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں اور باہم سراپا رحمت۔

اس صفت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہم اس کو دل کی نرمی اور گداز سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کے نتیجہ میں آدمی کا رویہ اپنے بھائی کے لیے انتہائی محبت، گرمجوشی، سوز، شفقت اور الفت کا مظہر ہو جاتا ہے اس کے بھائی کو اس سے ذرہ برابر بھی کوئی ایذا، تکلیف یا ٹھیس پہنچنے کا تصور بھی اس کے لیے کرب ناک ہوتا ہے۔ یہ رحمت ہی کی صفت ہے جو آدمی کو ہر دلعزیز بناتی ہے اور انسانوں کو اس کی طرف بڑھ وار کھینچتی ہے۔

رسول اللہ کی اہم صفات میں سے ایک صفت یہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے اور دعوت و تربیت کے سلسلہ میں اس کی کئی مثالیں پیش کی ہیں:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (توبہ)	بیشک تمہارے پاس خود تم میں سے رسول آیا، تم کو کوئی تکلیف پہنچے تو ان کو گراں ہوتی ہے تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے اور مومنین کے لیے سراپا راحت و رحمت۔

اور سورہ آل عمران میں بتایا ہے کہ اگر آپ کا دل نرم نہ ہوتا تو لوگ کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے اور یہ دل کی نرمی اللہ کی رحمت ہے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ	اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم دل واقع ہوئے

فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۱۵۹)

ہیں اگر کہیں بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے ۔

ایمان کا نتیجہ الفت ہے اور الفت سخت دلی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی لہٰذا ایک مومن جو سراپا الفت ہوتا ہے۔ سراپا نرمی بھی ہوتا ہے ورنہ اس کے ایمان میں کوئی بھلائی نہیں اس حقیقت پر رسول اللہ نے یوں روشنی ڈالی ہے ۔

المومن مالف ولاخیر فیمن لایالف ولا یولف ۔

مومن محبت والفت کا پتلا ہوتا ہے اور جو نہ محبت کرتا ہے اور نہ اس سے محبت کی جاتی ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے

اور اس لیے یہ فرمایا کہ :

من یحرم الرفق یحرم الخیر (عن جریر فی المسلم مشکوٰۃ)

جو نرمی سے محروم کیا گیا وہ بھلائی سے محروم کر دیا گیا ۔

اس بات کی مزید تشریح یوں کی :

من اعطی حظه من الرفق اعطی حظه من خیر الدنیا والاخرة

کہ جس شخص کو نرمی میں سے اس کا حصہ دیا گیا اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے اس کا حصہ دے دیا گیا ۔

(عن عائشہ شرح السنہ مشکوٰۃ ۴۳۱)

آپ نے ایک دفعہ تین جنتی آدمیوں میں سے ایک شخص کو گنایا جو اپنے رشتہ داروں اور ہر مسلمان کے لیے رحیم اور رفیق القلب ہو (رحیم رقیق القلب لکل ذی قربی ومسلم (رواہ مسلم) یہ اس لیے کہ رحمت سے محرومی بدبختی ہے اور جو زمین پر بندوں پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے اور جو زمین پر اللہ کے بندوں پر رحمت کرتا ہے اس کے لیے اللہ کی رحمت واجب ہو جاتی ہے چنانچہ فرمایا کہ :

لاتنزع الرحمة الامن شقی

رحمت کسی سے نہیں چھینی جاتی مگر اس سے جو بدبخت ہو

(عن ابی ہریرہ احمد الترمذی مشکوٰۃ ۴۲۳)

اور مزید یہ کہ :

الراحمون یرحمهم الرحمٰن ارحموا من في الارض یرحمکم من في السماء — جو رحم کرنے والے ہیں رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔

(عن عبداللہ بن عمر رواہ ابو داؤد والترمذی مشکوٰۃ ۴۲۳)

اس نرمی و رحمت کے جو دو مختلف پہلو چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے ہیں یعنی شفقت و عزت اس کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (ابی داؤد و ترمذی۔ مشکوٰۃ ۴۲۳) — جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک مسلمان اپنے بھائی کے ساتھ تعلقات میں سراپا نرمی ہوتا ہے اور اپنے معاملات میں اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے اس کے دل کو خوش رکھے اور اس کو تکلیف نہ ہونے دے اور اس کا ہر جائز مطالبہ پورا کر دے۔ اس امر کو رسول اللہؐ نے ایک مثال سے یوں سمجھایا کہ:

المومنون هینون لینون کالجمل الانف ان قید انقاد وان انیخ علی صخرۃ استناخ (رواہ ترمذی عن مکحول مشکوٰۃ ۴۳۲) — مومن بردبار اور نرم دل ہوتے ہیں، اس اونٹ کی مانند جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو اگر کھینچا جائے تو کھینچا چلا جائے اور پتھر پر بٹھایا جائے تو پتھر پر بیٹھ جائے۔

قرآن نے بڑے مختصر سے انداز میں اس پوری کیفیت کو یوں بیان کیا ہے۔ (اذلۃ علی المومنین)

دراصل یہ رحمت سیرت کی وہ صفت ہے جو تعلقات میں ایک نئی روح ڈال دیتی ہے اور ان کے حسن و جمال کو مکمل کرتی ہے اور ایک شخص جو ایک مرتبہ اس رحمت سے لطف اندوز ہو جاتا ہے پھر اس کا دل اس تعلق کو توڑنے کے لیے مشکل سے راضی ہوتا ہے جس کے ذریعہ اس کو یہ نعمت ملتی ہے۔

عفو عفو کا مفہوم معاف کر دینا ہے لیکن اس مفہوم میں وہ بہت ساری چیزیں شامل ہیں جو الگ الگ بھی شمار ہوتی ہیں لیکن ان کا چونکہ اس صفت سے گہرا تعلق ہے اس لیے ہم نے انہیں اس کے تحت شامل کر دیا ہے، مثلاً غصہ کا ضبط کرنا، صبر و تحمل اور بردباری وغیرہ۔

جب دو آدمیوں کا تعلق قائم ہوگا تو ایک فطری امر ہے کہ ہر ایک سے بہت ساری ایسی چیزیں سرزد

ہوں گی جو دوسرے کے لیے ناگواری، تلخی، تکلیف اور اذیت کا باعث ہوں گی جن پر اسے غصہ آئے گا اور جن میں سے بعض پر اسے قانوناً بدلہ لینے کا حق بھی ہو گا۔ ایک پیار و محبت کا تعلق اپنے استحکام کے لیے اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر محبت غالب آئے اور ایک بھائی میں اتنی وسیع القلبی ہو کہ وہ اپنے غصہ کو پی جائے اور باوجود انتقام کی قدرت کے انتقام نہ لے اور اس طرح عفو کی روش پر کاربند ہو۔ رسول اللہ کا یہ خاص شیوہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آپ کو بے شمار جگہ نصیحت کی ہے۔

وخذ العفو فاعف عنهم واستغفر لهم

اللہ مسلمانوں کو تقویٰ کی صفات بتاتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ:

والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس (آل عمران)

جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچے یا کوئی نقصان ہو تو سب سے پہلے غصہ اس کے دل و دماغ پر قابو پانے کی کوشش شروع کرتا ہے اور اگر غصہ دل و دماغ پر قابو پالے تو پھر عفو تو درکنار آدمی ایسی ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے کہ آئندہ کو خوشگوار تعلقات کی امید بالکل منقطع ہو جاتی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے آدمی کو اپنا غصہ پی جانے کی فکر کرنی چاہیے۔ جب ہی وہ ٹھنڈے دل سے معاملہ پر غور کر سکے گا اور پھر اگر عفو کی پالیسی اختیار نہ بھی کرے تو کم از کم عدل سے تو تجاوز نہ کرے گا۔ رسول اللہ نے مختلف فرمودات میں اس کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے اس کو دبا دینے کی ترغیب دی ہے فرمایا:

ان الغضب ليفسد الايمان كما يفسد الصبر العسل (بیہقی مشکوٰۃ ۴۳۳، ۴۳۴)	بے شک غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر ڈالتا ہے جس طرح ایلوہ شہد کو۔
ما تجرع عبد افضل عند الله عز وجل من جرعة غيظ يكظمها ابتغاء وجه الله تعالى۔ (رواہ احمد عن ابن عمر مشکوٰۃ ۴۳۴)	بندہ کوئی گھونٹ نہیں پیتا جو اللہ کے نزدیک اس غصہ کے گھونٹ سے زیادہ بہتر ہو جو وہ خدا کی خوشنودی کی خاطر پی جاتا ہے۔

اس طرح آپ نے صبر کی تعلیم دی اور یہ بتایا کہ سب سے بہتر رویہ یہ ہے کہ آدمی ایذاؤں پر صبر کرے

اور مل جل کر رہے بجائے اس کے کہ قطع تعلق کرے آپ نے فرمایا:

المسلم یخالط الناس ویصبر علی اذاھم افضل من الذی لا یخالطھم ولا یصبر علی اذاھم۔ (عن ابن عمر ترمذی وماجہ) (مشکوٰۃ ۴۳۲)

وہ مسلمان جو لوگوں سے ملا جلا رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے اُس سے بہتر ہے جو ملنا جلنا چھوڑ دے، اور ایذاؤں پر صبر نہ کرے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکر کو نصیحت کرتے ہوئے آپ نے منجملہ اور باتوں کے یہ کہا کہ:

عبد ظلم بمظلمۃ فیغضی عنہا للہ عزوجل الا اعز اللہ بہا نصرہ (بیہقی ابوہریرہؓ)

جس بندہ پر ظلم کیا جائے اور وہ صرف خدا کی رضا کے لیے خاموش رہے تو اللہ اس کی زبردست مدد کرتا ہے۔

صبر سے آگے مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو خوش دلی کے ساتھ معاف کردے باوجود اس کے کہ وہ انتقام اور بدلہ کی طاقت رکھتا ہو۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے سوال کیا بندوں میں کون تیرے نزدیک زیادہ عزیز ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

من اعز عبادک عندک قال من اذا قدر غفر (عن ابوہریرہ بیہقی)

وہ شخص جو انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کردے۔

اور اسی طرح جو آدمی اپنے بھائی کا عذر نہ قبول کرے اس کو یہ وعید سنائی اور فرمایا کہ:

من اعتذر الی اخیہ فلم یعذرہ او لم یقبل عذرہ علیہ مثل خطیئۃ صاحب مکس۔ (عن جابر رواہ بیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ۴۲۹)

جس نے اپنے بھائی سے اپنے قصور کا عذر کیا اور اس نے اس کو معذور نہ سمجھا یا اس کا عذر قبول نہ کیا تو اس پر اتنا گناہ ہوا جتنا (ایک ناجائز) محصول وصول کرنے والے پر۔

اور آخرت میں بھی ایسے شخص کے لیے بہترین اجر ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

من کظم غیظاً وھو یقدر علی ان ینفذہ دعاہ اللہ علی رؤس الخلائق یوم القیمۃ حتی یخیرہ فی ای حور

ترمذی و ابوداؤد، عن سہل بن معاذ۔ مشکوٰۃ ۴۳۴

جس نے غصہ ضبط کرلیا اس حال میں کہ وہ اسے پورا کرنے کی قدرت رکھتا تھا قیامت کے دن خداوند اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور جس حور کو چاہے اسے انتخاب کرنے کا اختیار دے دے گا۔

جو دنیا میں معاف کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف کرے گا۔

ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم — چاہیے کہ وہ عفو و درگزر سے کام لیں کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (نور)

برائی کے برابر برائی سے بدلہ لینے کا حق ہے لیکن جو معاف کر دے تو اس کا اجر خاص اللہ کے ذمہ ہے۔

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظالمین (شوری) — برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے پس جس نے معاف کیا اور مصالحت کی اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

عفو کی یہ صفت پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ بڑے عزم کا کام ہے۔

ولمن صبر و غفر ان ذالک من عزم الامور — اور جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے

لیکن یہی وہ چیز ہے جو تعلقات میں بڑی بلندی اور پاکیزگی پیدا کر دیتی ہے اور اس لیے یہ ایک انتہائی اہم صفت ہے۔

دو مزید صفات کا ذکر بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے ایک باہمی اعتماد اور دوسرے قدر و قیمت کا احساس

اعتماد | اعتماد کا پورا پورا تصور ولایت کا وہ لفظ اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے جو قرآن نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی تعبیر کے لیے استعمال کیا ہے۔ دراصل ولی کہتے ہی اس کو ہیں جو کاملاً قابل اعتماد ہو۔ جس کو آدمی اپنے تمام راز اور تمام معاملات پورے اطمینان سے سپرد کر سکے۔ اخوت کے اس تعلق کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں پر اعتماد کرے اور ان کو اپنے زندگی کے معاملات میں برابر کا شریک بنائے۔

(باقی)